اسلام میں عدلیہ کی اہمیت

مولانا محمد صدیق ہزاروی
سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل

افراط و تفریط کے درمیان ایک نقطہ مساوات جو اطراف کو برابر رکھتا ہے اور حق پر آ کر رک جاتا ہے، عدل کہلاتا ہے(۱) عدل، انسان کی طبعی اور فطری ضرورت ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی مدنی الطبع ہے یعنی مل جل کر رہنا چاہتا ہے اس کی تخلیق اس انداز پر کی گئی ہے کہ اسے اپنی حیات کی بقاء کے لیے حصول غذا میں دوسروں کے تعاون کی ضرورت ہے کیونکہ یہ کام فرد واحد کے بس کا نہیں۔ نیز اسے اپنے دفاع کے لیے بھی دوسروں کی احتیاج ہے کیونکہ یہ اپنی جسمانی ساخت کے اعتبار سے تن تنہا اپنا دفاع نہیں کرسکتا جبکہ دیگر حیوانات کی جسمانی ساخت اس انداز پر رکھی گئی ہے کہ وہ حملوں سے اپنا دفاع کر سکتے ہیں۔ وہ اپنی دبیز کھالوں کے بل بوتے بڑے سے بڑے حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں پھر ان کے سینگ پنجے اور ناخن آلاتِ حرب کا کام دیتے ہیں۔

ان محرکات کے پیش نظر انسان کی اجتماعیت عقل کا مقتضیٰ ہے اور اسی اجتماع کے بل بوتے پر انسان کی جسدی اور ادبی نشوونما ہوتی ہے لیکن چونکہ انسان میں حیوانی فطرت بھی ہے جس میں خصومت اور تشدد غالب ہے لہذا وہ اسے دوسروں سے جنگ لڑنے اور باہمی بغض و عداوت پر مجبور کرتی ہے جبکہ اس باہمی جنگ و خون ریزی کا جاری رہنا نوع انسانی کے خاتمے پر منتج ہوتا ہے اس لیے اس کشت و خون ریزی کے سدباب اور نوع انسانی کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کے لیے کسی ایسے نظام یا حکم دہندہ کی ضرورت پیش آتی ہے جو ظلم و تعدی سے روکے اور امن و امان قائم رکھے اس طرح مملکت وجود میں آتی ہے۔(۲)

مملکت کی ہیئت حاکمہ کا اولین فرض ہے کہ وہ ایسے ادارے کا قیام عمل میں لائے جو نہ صرف مضبوط اور ظالم لوگوں کے خلاف کمزوروں کی داد رسی کرے بلکہ خود حکومت کی بے اعتدالیوں پر بھی اس کی گرفت مضبوط ہو۔ یہ ادارہ ''عدلیہ''، ''صیغہ قضا'' یا ''صیغۂ جزاء'' کہلاتا ہے۔ علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں کہ عدل، مظہر عقل اور ہر شریعت کی روح ہے اور آج تک کے جملہ بانیان مذاہب نے اسے منتہائے مقصود قرار دیا ہے۔(۳) چونکہ نظام عدل کا قیام ایک طبعی اور عقلی تقاضا ہے اس لیے یہ نظام زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ اگرچہ ہر دور اور ہر جگہ اس کا تصور ایک جیسا نہیں رہا تاہم ہر قوم اور ہر تہذیب میں تصور انصاف موجود رہا ہے۔

عرب، زمانہ جاہلیت میں عدل گستری کو بہت اہمیت دیتے تھے چنانچہ حکمرانی اور فصل خصومات کے لیے ایک ہی لفظ ''حکم'' استعمال ہوتا تھا شہر میں مستقل رہائش پذیر مختلف قبائل تھے اور مختلف خدمات ذی اثر قبیلوں یا خاندانوں میں منقسم تھیں۔ چنانچہ ایک قبیلہ کے سپرد تنازعات کا تصفیہ تھا اور سردار قبیلہ یہ فریضہ سرانجام دیتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ خدمت انجام دی تھی۔(۴) اسلام دین فطرت اور طبائع انسانی کے عین موافق ہے نیز امن و سلامتی کا قیام اور ظلم و تعدی کا انسداد، اسلام کے نزدیک اہم مقاصد میں سے ایک ہے اس لیے اسلامی حکومت کے لیے لازم قرار دیا گیا کہ وہ نظام عدل قائم کرے۔

امام علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی (م۵۸۷ھ) فرماتے ہیں کہ قاضی کا تقرر فرض ہے کیونکہ اسے ایک فرض کام یعنی قضاء کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ''اے داؤد بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا تو لوگوں میں سچا حکم کر''(۵) اور ہمارے نبی مکرم ﷺ سے فرمایا فاحکم بینهم بما انزل الله الایه ''تو ان میں فیصلہ کرو اللہ کے اتارے ہوئے سے''(۶) لوگوں کے درمیان حق و انصاف پر مبنی اور منزل من اللہ احکامات کے ساتھ فیصلہ قضاء کہلاتا ہے تنفیذ احکام، ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی داد رسی اور منع منادات، تنازعات کو ختم کرنے نیز کئی دوسرے مصالح کے لیے قاضی کا تقرر لازمی ہے (اور یہ نظام

عدالت کا مقتضی ہے) نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں اطراف و اکناف میں قاضی مقرر فرمائے چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف اور عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ میں قاضی مقرر فرمایا پس قاضی کا تقرر (اور یوں نظام قضاء کا نظام) فرض ہے۔ امام محمدؒ نے اسے ایسا محکم فرض قرار دیا ہے جس میں نسخ کا احتمال نہیں کیونکہ یہ ان امور سے ہے جن کا وجوب عقلی ہے اور عقل سے ثابت شدہ احکام میں نسخ نہیں۔(۷) علامہ شمس الدین سرخسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بعد اقویٰ فرض قضاء ہے اور یہ اشرفِ عبادات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے اسم خلافت منتخب فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ''میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں''(۸) اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں انہیں مخاطب کر کے فرمایا یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ ''اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں اپنا نائب بنایا'' اور تمام انبیاء حتی کہ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئی ہدایت و نور پر مشتمل کتاب اور اس کے نازل کردہ احکامات کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِیْهَا هُدًی وَّنُوْرٌ۔ یَحْکُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا ''بے شک ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق ہمارے فرمانبردار نبی حکم دیتے تھے''(۹) عظمتِ قضاء کی دلیل یہ ہے کہ اس میں اظہار عدل ہے اور زمین و آسمان عدل ہی کی بدولت قائم ہیں نیز اس کے ذریعہ انسداد ظلم جیسا اہم فریضہ انجام دیا جاتا ہے اور ہر عقلمند کی عقل انسدادِ ظلم، دادِ رسی مظلوم اور مستحق کو اعطائے حق کی مقتضی ہے۔(۱۰)

قرآن پاک کی متعدد آیات نظام عدل کے قیام کی دعوت دیتی ہیں۔ بعض آیات ایجابی ہیں یعنی وہ آیات انصاف کرنے یا انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے جیسے مضامین پر مشتمل ہیں اور بعض آیات سلبی ہیں یعنی ان آیات میں ظلم کی مذمت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ظالمین کے غیر محبوب ہونے کا ذکر ہے جو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے اور ظالم سے مظلوم کا حق لیکر مظلوم تک پہنچانے کی طرف مشیر ہیں۔ ان کثیر التعداد آیات سے عدلیہ کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے اسی لیے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان القضاء فریضة محکمه وسنة متبعة ''بلاشبہ قضاء ایک محکم ذمہ داری اور واجب العمل قانون ہے''۔(۱۱) اس ضمن میں چند آیات و احادیث ملاحظہ ہیں۔

(۱) وَاِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔
''اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو''۔(۱۲)

(۲) وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ۔
''اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافات کا فیصلہ کردیں''۔(۱۳)

(۳) وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ۔
''اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو''۔(۱۴)

(۴) فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ
''تو ان کے ساتھ ان میں اصلاح کردو اور عدل کرو بے شک عدل والے اللہ کو پیارے ہیں۔''(۱۵)

(۵) شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِکَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ
''اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور علماء نے انصاف سے قائم ہو کر۔''(۱۶)

(۶) وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ
''اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور عدل کا ترازو اتارا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں''۔(۱۷)

(۷) وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَار
''اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں''۔(۱۸)

(۸) فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ
''تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔''(۱۹)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''جس نے عہدہ قضاء طلب کیا وہ اپنے نفس کے حوالے کیا گیا اور جسے اس کی خواہشات کے برعکس قاضی بنایا گیا اس کی امداد کے لیے اور اسے راہ راست پر رکھنے کے لیے ایک فرشتہ اترتا ہے''۔(۲۰) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب اور قریب ترین مجلس والا امام عادل ہوگا جبکہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور سب سے زیادہ دور مجلس والا ظالم حکمران ہوگا''۔(۲۱)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی مدد قاضی کے ساتھ ہوتی ہے جب تک وہ ظلم نہ کرے جب وہ ظلم کرتا ہے تو مدد الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے اور اسے شیطان کی رفاقت حاصل ہوجاتی ہے''۔(۲۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ پوچھا گیا مظلوم کی مدد تو بجا ظالم کی مدد کیسے؟ آپؐ نے فرمایا اسے ظلم سے باز رکھنا''۔(۲۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''انصاف (کے ساتھ فیصلہ) کی ایک گھڑی ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے''۔(۲۴)

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ معاشرتی ناہمواریوں کو ختم کرنے کے لیے عدل وانصاف کا قیام اور ظلم کا خاتمہ کس قدر لازمی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کے مقاصد کی اہمیت اور وقعت اس چیز کی افادیت واہمیت پر دال ہوا کرتی ہے۔ چونکہ عدل وانصاف کا قیام اور ظلم کا خاتمہ ایک اہم فریضہ ہے اس لیے اس مقصد کی تعمیل کے لیے جو شعبہ قائم کیا جائے گا وہ نہایت اہم اور ارفع ہوگا اور وہ شعبہ ''عدلیہ'' ہے۔ اسی لیے ہر مملکت اور بالخصوص اسلامی مملکت میں عدلیہ ایک اہم شعبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلامی نظام عدل کو دیگر نظام ہائے عدالت پر برتری اور فوقیت حاصل ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام اسے محض رسمی شعبہ کے طور پر تشکیل نہیں دیتا بلکہ اس کے حقیقی مقاصد پیش نظر ہوتے ہیں یعنی قیام عدل اور انسداد ظلم کے ذریعے معاشرے میں حقیقی امن وسکون پیدا کرنا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی عدالت کسی انسان کی رائے کے مطابق نہیں بلکہ حاکم حقیقی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرتی ہے اور ایسا نہ کرنے والوں کو قرآن پاک کی رو سے کافر، فاسق، ظالم اور جاہلیت کے فیصلہ کے متلاشی وغیرہ کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ'' ایک جگہ کافروں کی جگہ ''فاسقون'' اور ایک مقام پر ''ظالمون'' کہا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ابدی قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے لوگ فاسقین، ظالمین اور منکرین کی صف میں

شامل ہیں۔ اس طرح ایک مقام پر فرمایا کہ بہت سے لوگ فاسق ہیں اس کے ساتھ ہی فرمایا کیا وہ جاہلیت کا حکم تلاش کرتے ہیں

’’ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ۔ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ۔‘‘(۲۶)

قانون اسلام کا ماخذ قرآن وسنت، اجماع امت اور مجتہد کا اجتہاد قرار دیا گیا ہے علاوہ ازیں’’کل مومن اخوۃ‘‘کے مطابق اسلام کی قائم کردہ عدالت میں حقیقی مساوات کا مظاہرہ ہوتا ہے جس سے ظلم وعدی کا شائبہ بھی باقی نہیں رہتا۔ اسلامی نظام عدل میں ناانصافی اور ظلم کا اس وقت مکمل طور پر قلع قمع ہو جاتا ہے جب حاکم وقت بھی اپنے آپ کو عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے اور اسلامی عدالت اس دوران بلاخوف اپنا فریضہ انجام دیتے ہوئے حاکم وقت کے خلاف فیصلہ صادر کر دیتی ہے۔ تاریخ اسلام ایسے واقعات سے بھرپور ہے جن کے اعادہ کی اس مختصر مقالہ میں گنجائش نہیں اور یہ ضابطہ خود نبی اکرم ﷺ نے اپنے مبارک عمل سے مقرر فرمایا حضرت سواد بن عمر فرماتے ہیں کہ وہ ایک روز آنحضرت ﷺ کے سامنے رنگین کپڑے پہن کر گئے آنحضرت ﷺ نے ’’حط، حط‘‘ فرمایا اور چھڑی سے ان کے شکم کو ٹھونکا، وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسولؐ اللہ! میں قصاص لوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے جھٹ اپنا شکم مبارک برہنہ کر کے میرے سامنے کر دیا۔(۲۷)

مکہ مکرمہ میں فاطمہ نامی عورت نے چوری کی لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو، جن سے حضور ﷺ کو بہت پیار تھا، سفارش کے لیے بھیجا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ’’کیا تم حدود الٰہی میں سفارش کرتے ہو۔ سنو! اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی ایسا کرتیں تو میں ان پر بھی حد جاری کرتا۔(۲۸) اس کے برعکس دیگر نظام ہائے عدالت میں ملک کا سربراہ قانون کی زد میں نہیں آتا بلکہ وہ خود عدالتی فیصلوں میں دخیل کار ہوتا ہے اور عدالتیں ان حکمرانوں کے نام سے چلتی ہیں۔(تفصیل کے لیے دیکھئے "The Administration of Justice of Muslim Laws" by Mohomed ullah M.A.LL.D)

فقہاء اسلام نے قرآن وسنت کی روشنی میں قاضی کو جن آداب کا پابند بنایا ہے اس پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عدلیہ کو حقیقی معنوں میں عدل وانصاف کا سرچشمہ قرار دیا ہے اور ظلم و ناانصافی کے لیے کوئی راستہ باقی نہیں چھوڑا۔ چند آداب درج ذیل ہیں۔

۱- قاضی، فریقین میں سے کسی ایک کی مہمان نوازی نہ کرے۔

۲- مجلس میں فریقین کو برابر جگہ دی جائے۔

۳- مدعی و مدعا علیہ میں سے ایک کی راہنمائی نہ کی کرے۔

۴- غم، غضب، اکتاہٹ، بھوک، پیاس وغیرہ کی حالت میں فیصلہ نہ دیا جائے۔

۵- قاضی، فریقین میں سے کسی ایک کو نہ ڈرائے کہ کہیں وہ خوف کے باعث اپنے موقف کے اظہار سے عاجز نہ ہو جائے۔

۶- زیادہ دیر تک مجلس قضا جاری نہ رکھی جائے تاکہ تھکاوٹ صحیح فیصلہ پر دخل انداز نہ ہو۔

۷- قاضی، خصوصی دعوت قبول نہ کرے البتہ عمومی دعوت میں جاسکتا ہے۔

۸- فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ علیحدگی اختیار نہ کرے تاکہ فریق ثانی کے ذہن میں شکوک وشبہات پیدا نہ ہوں۔

۹- اگر شہر والوں کو تکلیف نہ ہو تو دور دراز سے آنے والوں کا فیصلہ پہلے کرے تاکہ وہ اپنے اہل وعیال کے فکر کے باعث اپنے حق سے دستبردار ہونے کا فیصلہ نہ کرلیں۔

۱۰- قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کرے بلکہ دلائل کی بناء پر فیصلہ کرے۔ اس ضمن میں اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے واقعہ افک میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی صداقت وعفت کو جاننے کے باوجود خود فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ نزول آیات کے انتظار میں رہے۔

۱۱- قاضی ایسا شخص ہو جو مالی لحاظ سے اچھا ہو تاکہ وہ لالچ کی بناء پر حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ میں کوتاہی نہ کرے۔

۱۲- قاضی دیانت دار، ثقہ، نیک کردار اور مجتہد ہو۔

۱۳- قاضی حسب ضرورت اپنے پاس علماء اور فقہاء کو بٹھائے جن سے مشورہ لے سکے۔

۱۴- قاضی کا ایک سیکرٹری ہونا چاہیے جو راشی نہ ہو اور قاضی اسے اپنے سامنے بٹھائے تاکہ اس کا عمل مخفی نہ رہے اور اگر معلوم ہو جائے کہ یہ راشی ہے تو منع کرے اگر وہ منع نہیں کرتا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس کا سیکرٹری اس کے دروازے پر شراب نوشی یا زنا کا ارتکاب کرے اور یہ اسے باز نہ رکھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب قاضی میں پانچ باتیں جمع ہوں تو وہ کامل قاضی ہوگا ورنہ ناقص ہوگا۔(۱) علم (۲) استغنا (۳) دلائل کے مطابق فیصلہ (۴) ملامت سے نہ ڈرنا (۵) اہل علم سے مشورہ(۲۹)۔ ان مندرجہ بالا آداب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان آداب وشرائط کا مقصد یہی ہے کہ قاضی کا فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی ہو اور کوئی ایسی بات جو اس بات میں رکاوٹ بن سکتی ہے اس سے اجتناب لازمی ہے۔ علاوہ ازیں اسلامی نظام عدل میں قانون شہادت اور گواہوں کے لیے شرائط حتی کہ اپنے اقارب کو بھی نظر انداز کر کے حق کے لیے گواہی دینا ایک ایسا محکم ضابطہ ہے جو اسلامی عدلیہ کے وقار کو چار چاند لگاتا ہے۔

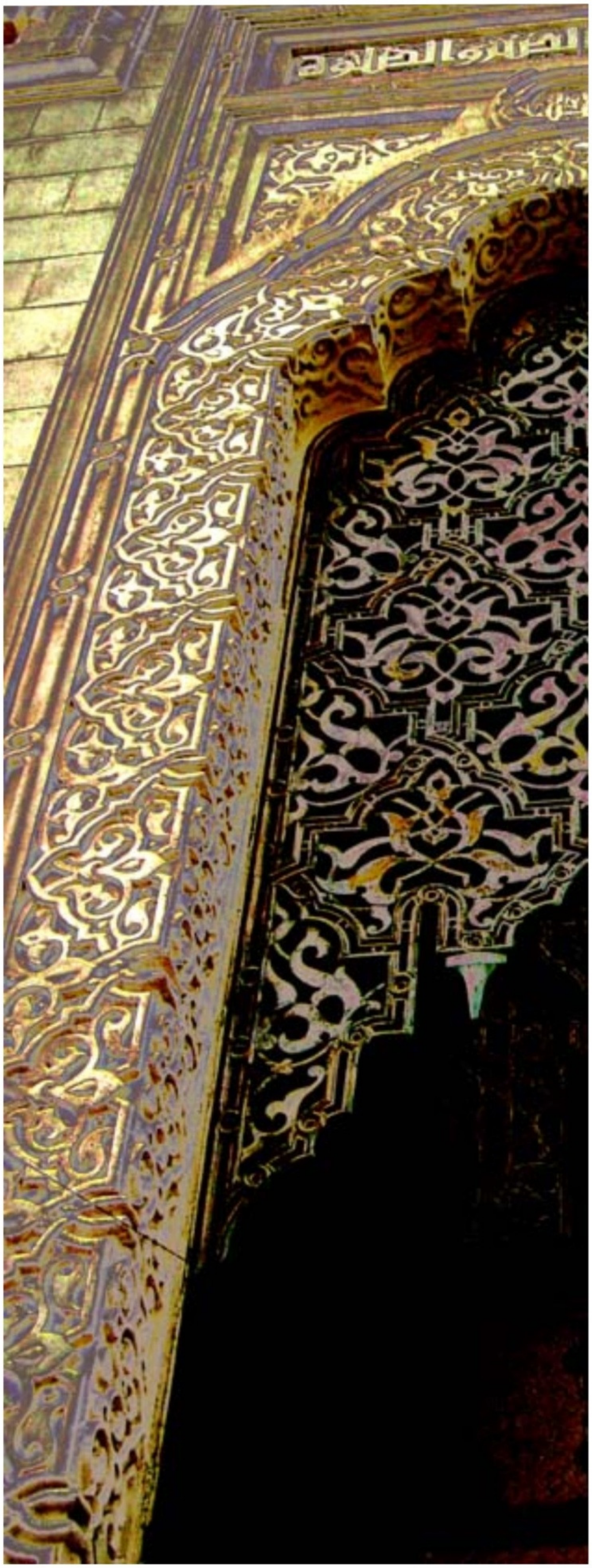

مآخذ

۱- تعریفات سید شریف بحوالہ اسلام کا نظام حکومت، ص ۳۸۶۔
۲- عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ج اول، ص ۳۴ تا ۳۶۔
۳- محمد فرید وجدی، دائرہ معارف القرن العشرین، ج ۶، ص ۲۰۹۔
۴- محمد عبدالحفیظ صدیقی، پروفیسر، برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظام عدل گستری، ص ۲۲، ۲۳۔
۵- احمد رضا بریلوی، امام، کنز الایمان (ترجمہ قرآن پاک، ۳۸:۲۶)
۶- القرآن (۴۸:۵)
۷- علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی، امام، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۲۔
۸- شمس الدین سرخسی، امام کتاب المبسوط، ج ۱۶، ص ۵۹، ۶۰۔
۹- احمد رضا بریلوی، امام، کنز الایمان، ترجمہ القرآن (۵:۴۴)
۱۰- شمس الدین سرخسی، امام، کتاب المبسوط، ج ۱۶، ص ۶۰۔
۱۱- ایضاً۔
۱۲- القرآن (۵:۴۲)
۱۳- ایضاً (۲:۲۱۳)
۱۴- ایضاً (۴:۵۸)
۱۵- ایضاً (۴۹:۹)
۱۶- ایضاً (۳:۱۸)
۱۷- ایضاً (۵۷:۲۵)
۱۸- ایضاً (۲:۲۷۰)
۱۹- ایضاً (۶:۶۸)
۲۰- ابوعیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، ص ۲۱۰۔
۲۱- ایضاً۔
۲۲- ایضاً، ص ۲۱۱۔
۲۳- یحییٰ بن شرف الدین نووی، ریاض الصالحین، ص ۱۲۲۔
۲۴- شمس الدین سرخسی، امام، کتاب المبسوط، ج ۱۶، ص ۷۲۔
۲۵- القرآن (۵:۴۴)
۲۶- ایضاً (۵:۵۰)
۲۷- الشفاء، ص ۳۱۱۔
۲۸- محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، ج ۱، ص ۵۲۸۔
۲۹- شمس الدین سرخسی، امام، کتاب المبسوط، ج ۱۶، متفرق صفحات کتاب ادب القاضی۔